بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِين، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين، أَمَّا بَعْدُ:

53-اللہ تعالیٰ کا اپنی تمام مخلوقات پر بلندی کا بیان (حصہ دوم)

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ الحرانی رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔اور پچھلے درس میں ہم بات کر رہے تھے صفۃ العلو کے تعلق سے اور چند اہم باتیں بیان کی تھیں "اللہ تعالیٰ کی صفت علو کا بیان کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے"، اور پچھلے درس میں ہم نے چھ آیات میں سے ایک آیت کریمہ کے تعلق سے جو شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے مختصر سی ایک تفسیر کی ہے اس کے تعلق سے میں نے بات کی ہے۔

آج کے درس میں جہاں پر رُکے تھے وہیں سے درس کا آغاز کرتے ہیں، چند شبہات ہیں مخالفین کے جو صفت علو کا انکار کرتے ہیں، وہ کون سے شبہات ہیں اور اُن کا ازالہ کس طریقے سے کیا گیا ہے آیئے دیکھتے ہیں۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ذاتی علو کا انکار کیا ہے"۔

یعنی اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر علو میں ہے بلندیوں پر ہے عرش سے اوپر ہے، یہ تو ہم جانتے ہیں (پچھلے درس میں گزر چکا ہے) کہ صفت علو کی دو قسمیں ہیں اور بعض علماء تین قسمیں بھی کہتے ہیں: (۱) علو ذاتی ہے۔(۲) اور علو معنوی ہے۔

علو ذاتی (یعنی ذات کے اعتبار سے) اللہ تعالیٰ کی ذات جو ہے وہ عرش سے اوپر ہے۔

اور معنوی کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ شرف اور قدر، اور طاقت اور قدرت، اور جبر کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اور سب سے بلند و بالا ہے سب سے اوپر ہے، کیونکہ جو غالب ہوتا ہے وہ اوپر ہی ہوتا ہے اس اعتبار سے، شرف میں بھی بلندی کا معنی پایا جاتا ہے، قادر کا بھی اور جو غالب ہے اس میں بھی بلندی کا معنی پایا جاتا ہے، لیکن معنوی ہے۔ حقیقی معنی جو ہے جس سے ذات مراد ہو تو وہ جو ہے اسے کہتے ہیں "علو الذات"، یا ذاتی علو بھی کہتے ہیں، یا ذات کے اعتبار سے علو بھی کہتے ہیں۔

اب جن لوگوں نے انکار کیا ہے اہل بدعت میں سے انہوں نے جو پہلی قسم ہے اس پر تو کوئی بات نہیں کی ہے (یعنی جو معنوی ہے) اُس پر اتفاق ہے، میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ اہل قبلہ کا سب کا اتفاق ہے، لیکن جو علو الذات ہے کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر علو میں ہے بلندیوں پر ہے اور عرش سے اوپر ہے اس میں اختلاف کیا ہے اہل بدعت نے۔

اچھا کیوں کیا ہے؟ کیوں مخالفت کی ہے اور کیوں انکار کیا ہے؟ آیئے دیکھتے ہیں چند اُن کی غلط فہمیاں ہیں شبہات ہیں وہ کیا ہیں اور کیسے دور کیا گیا ہے۔

انہوں نے کہا انکار کرنے والوں نے: "کہ اگر اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر بلندیوں پر ہوتے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سمت میں ہوتے اُس کے لیے سمت اور جہت کا ہونا لازمی ہے، اور اگر اس کو ہم مان لیں کہ اللہ تعالیٰ ایک جہت اور سمت میں ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ محدود ہے، اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جسم ہونا چاہیے کیونکہ جس چیز کی آپ سمت کی بات کرتے ہیں تو سمت کی حد ہوتی ہے اور جو محدود ہے وہ جسم ہی ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ممتنع ہے جائز نہیں ہے"۔

ان شبہات کا جواب جو ہے جو شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): کہ اگر ہم یہ مان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر بلندیوں پر ہے اور علو میں ہے اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محدود ہے اور اللہ تعالیٰ کا جسم بھی ہے، یا اللہ تعالیٰ خاص سمت یا جگہ پر ہے، تو ہم یہ کہتے ہیں (اب بڑا پیارا جواب ہے ذرا غور سے سنیں، کوشش کریں یاد کرنے کی بڑا آسان ہے):

(۱) سب سے پہلے ایسی تعلیلات اور جو یہ باتیں بیان کر رہے ہیں ان سے جو واضح نصوص ہیں قرآن و سنت کے جو دلائل ہیں اُن کو ردّ نہیں کیا جا سکتا (یعنی یہ جو تعلیلیں پیش کر رہے ہیں کہ اس بات سے یہ لازم آتا ہے وہ لازم آتا ہے یہ تعلیلات جو ہیں ان سے جو واضح نصوص ہیں قرآن اور سنت میں اُن کو ردّ نہیں کیا جا سکتا) کیونکہ اگر ہم انہیں جائز قرار لے لیں اور مان لیں اُن کی یہ بات تو پھر کوئی بھی شخص کسی بھی نص کو جو اسے پسند نہیں ہے تو کوئی بھی علّت پیش کر کے اسے ردّ کر سکتا ہے (کوئی بھی بہانہ بنا کر قرآن مجید کی آیت کو یا کسی صحیح حدیث کو بھی وہ کسی نہ کسی بہانے یا کسی نہ کسی علّت کی وجہ سے ردّ کر سکتا ہے)۔

تو اس کا سدّ باب کرنا لازمی ہے معنی یہ ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لیے اس صفت کو ثابت کیا (صفت علو کو ثابت کیا ہے)، اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی اللہ تعالیٰ کے لیے اس صفت کو ثابت کیا ہے، اور سلف صالحین نے بھی اس صفت کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کیا ہے، تو پھر کسی کی بات قبول نہیں کی جاسکتی جو ان کی مخالفت کرتے ہوئے یہ کہے اللہ تعالیٰ کا جو ذاتی علو ہے اس کا انکار کرے، اور وجہ یہ ہے کہ اگر اس بات کو مان لیا جائے یا اس صفت کو ثابت کر لیا جائے تو اس سے یہ اور یہ چیز لازم آتی ہے تو یہ بات قابل قبول نہیں ہے۔

واضح ہے پہلی بات: کہ کوئی بھی تعلیل ہے کوئی بھی وجہ ہے ایک طرف، دوسری طرف قرآن اور سنت کے نصوص ہیں، قرآن وسنت کے نصوص سب سے آگے ہیں، اور میں پہلے عرض کر چکا ہوں ہزار سے زیادہ دلائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہے بلندیوں پر ہے (ایک یا دو نہیں)۔

ایک ہی کافی ہوتا ہے یہاں پر ہم ہزار کی بات کر رہے ہیں اور ان ہزار نصوص کو ردّ کرنے کے لیے وجہ کیا ہے؟ "کہ اس بات سے یہ لازم آتا ہے اور وہ لازم آتا ہے!": تعلیلات ہیں کوئی دلیل نہیں ہے تو ان تعلیلات کی وجہ سے نصوص کو ردّ نہیں کیا جاسکتا۔

اگر کسی تعلیل یا وجہ کی بنیاد پر نصوص کو ردّ کیے جانے کا اگر یہ شَر کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر کوئی بھی شخص کسی بھی بہانے کسی بھی وجہ سے قرآن وسنت کو ردّ کر سکتا ہے۔

دوسری بات اسی میں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صفت کو ثابت کیا ہے اور سلف صالحین نے بھی اسے ثابت کیا ہے اور سلف کا اس میں اجماع ہے، سلف میں سے کسی کا بھی آپ قول نہیں دکھا سکتے جنہوں نے انکار کیا ہو کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر نہیں ہے، یا کسی میں سے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ کسی نے کہا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا! سب نے یہی بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر مستوی ہے (کما یلیق بجلاله وعظمته سبحانه وتعالیٰ)۔

(۲) دوسری بات شیخ صاحب فرماتے ہیں: ہم یہ کہتے ہیں اگر جو باتیں تم نے کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت علو کو ثابت کرنے کے لیے یہ چیزیں لازمی آتی ہیں جن کا تم ذکر کر رہے ہو کہ اس میں تین چیزیں بتائی ہیں (سمت بھی لازم آتی ہے، حد بھی لازم آتی ہے، اور جسم بھی لازم آتا ہے، یہی اُن لوگوں نے کہا ہے نا) اگر ان کا لازم ہونا صحیح ہے تو پھر اس کے

کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام جو فرمان ہے وہ حق ہے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے کیا لازم ہے اور کیا لازم نہیں ہے، اگر قرآن مجید کی آیات اور احادیث میں (یعنی نصوص میں) کوئی معنی فاسد نکلتا تو اسے ضرور بیان کیا جاتا، لیکن یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ قرآن مجید کی آیات میں یا کسی حدیث میں معنی فاسد کا امکان ہو سکتا ہے (یہ ناممکن ہے!)۔

کیا مطلب ہے اس دوسرے پوائنٹ کا؟

یعنی وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم صفت علو ثابت کرتے ہیں تو اس سے یہ تین لوازمات آتے ہیں جو تینوں اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہیں (یعنی یہ فاسد معنی نکلتا ہے)، اگر ہم علو کو مان لیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے تو اس سے جو معنی نکلتا ہے اگر ہم قبول کر لیں ذاتی طور پر تو جہت کا ہونا (سمت کا ہونا)، حد کا ہونا اور جسم کا ہونا یہ معنی اللہ تعالیٰ کے لیے درست نہیں ہے فاسد معنی ہے۔

شیخ صاحب یہ فرما رہے ہیں: پہلے آپ یہ سمجھیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں جو چیز ثابت ہوئی ہے اُس سے جو چیز بھی لازم آتی ہے اسے قبول کرنا چاہیے من وعن سے تسلیم کرنا چاہیے (جو چیز بھی اُس سے ثابت ہوتی ہے جو معنی بھی ثابت ہوتا ہے اسے تسلیم کرنا ہے ہم نے)، اب رہ گئی بات کہ اُس اسے معنی فاسد نکلتا ہے تو فاسد معنی نکل ہی نہیں سکتا!

جب اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے تو فساد کا معنی تو ممکن ہی نہیں ہے! اب یہ چیزیں لازمی جو آتی ہیں تو اس کا ہم کیا کریں پھر اب اس کا جواب دیکھیں ذرا۔

(۳) تیسرے نمبر پر شیخ صاحب فرماتے ہیں: تم نے حد اور جسم کی بات کی ہے اور اسی پر تم ہمیشہ بات کیا کرتے ہو اور لے کر آتے ہو اچھا حد سے تمہاری مراد کیا ہے؟! (دیکھیں اسے کہتے ہیں "استفصال" (تفصیل کا طلب کرنا))۔

اس سے تمہاری مراد کیا ہے حد جو ہے؟ دو معنی نکلتے ہیں: حد سے مراد کہ کوئی چیز محدود ہے نا، اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہم یہ مان لیں کہ عرش پر مستوی ہے اور بلندیوں پر ہے تو پھر حد لازم آتی ہے یعنی مخلوقات میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو محیط ہے (حد کب ہوتی ہے؟ جب چیز فاصل ہو جاتی ہے نا الگ الگ ہو جاتی ہے)، اب اللہ تعالیٰ مخلوقات سے الگ ہے اگر تم یہ کہتے ہو کہ حد اس کا مطلب ہے کہ مخلوقات میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو محیط ہے اور الگ کر دیا

خالق کو مخلوق سے تو معنی باطل ہے اللہ تعالیٰ محدود نہیں ہے اس اعتبار سے، مخلوق میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو اپنے گھیرے میں نہیں لے سکتی اسے محیط نہیں کر سکتی اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے جائز بھی نہیں اور یہ صفت علو سے لازم بھی نہیں آتا۔ یا دوسرا معنی جو ہے حد کا: حد سے مراد یہ ہے کہ کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے عرش سے اوپر ہے اور اپنی مخلوق سے منفصل ہے (الگ ہے)، ایک مخلوق ہے حد ہے، پھر خالق ہے الگ سے۔

اگر یہ حد مراد ہے تمہاری تو یہ معنی تو صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق سے بالکل منفصل ہے مخلوق سے الگ ہے اسے کہتے ہیں ''بائن عن خلقه'': بائن: یعنی الگ ہے اپنی مخلوقات سے، معنی صحیح ہے لیکن لفظ ہم نہیں استعمال کرتے کیونکہ یہ لفظ نہ تو ثبوت میں یا نفی میں موجود ہی نہیں ہے قرآن وسنت میں (قرآن وسنت میں یہ لفظ جو ہے حد کا)۔

تینوں لفظ بتاتا ہوں، حد کا بھی، جسم کا بھی اور سمت کا بھی (جہت کا بھی): تینوں الفاظ جو ہیں یہ قرآن وسنت میں موجود نہیں ہیں۔ (میں اپنی بات کر لوں پھر بتاتا ہوں میں آپ کو مختصر بتاتا ہوں)۔

دوسری بات جسم کی بات کرتے ہیں جسم سے مراد کیا ہے تمہاری؟ استفصال یہاں پر بھی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے جسم لازم آتا ہے، حد لازم آتی ہے۔

اچھا جسم سے تمہاری مراد کیا ہے؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو جسم سے مراد یہ ہے کہ جیسا کہ مخلوق کا جسم ہے جس میں ہڈی ہے، گوشت ہے، خون وغیرہ ہے، اور مخلوق اسی چیز سے جڑی ہوئی ہے: اگر جسم سے مراد یہ ہے تو یہ باطل ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہے اس کو ہم بھی ردّ کرتے ہیں۔

لیکن اگر اس سے مراد یہ ہے جسم سے جس کو تم جسم سمجھتے ہو "کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ بھی ہیں"، اور یہ صفات کاملہ جو ہیں ان کو جسم نہیں کہا جاتا۔ یعنی ذات ہے اور صفات ہیں: مخلوق کا جسم مخلوق میں، خالق میں اسے جسم نہیں کہا جاتا۔ کیوں؟ کیونکہ اس کا لفظ قرآن وسنت میں نہیں ہے، اور جس چیز کا لفظ قرآن وسنت میں نہ ہو نہ ثبوت میں (اثبات میں) نہ نفی میں تو اس میں خاموشی اختیار کی جاتی ہے اس کو نہ بیان کیا جاتا ہے نہ ردّ کیا جاتا ہے۔

لیکن معنی تو صحیح ہے معنی کیا ہے؟ مخلوق محتاج ہے دیکھیں: ہماری دو آنکھیں ہیں محتاج ہیں، سَر کے محتاج ہیں، دھڑ کے محتاج ہیں۔ مخلوق کسے کہتے ہیں؟ ہمارے دو ہاتھ ہیں، دو پاؤں ہیں، سَر ہے، دو آنکھیں ہیں، مخلوق جو ہے وہ اسی چیز سے بنی ہوئی ہے۔

جب ہم کہتے ہیں نا خالق کے دو ہاتھ ہیں (جلّ شانہ سبحانہ وتعالیٰ)، دو آنکھیں ہیں، تو وہ کہتے ہیں "اس سے جسم لازم آتا ہے"، اس لیے ان صفات کا انکار کرتے ہیں۔ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ جسم سے تمہاری مراد کیا ہے؟ اگر تو مراد یہ ہے جیسا کہ انسان مخلوق جو ہے وہ مختلف اعضاء سے بنا ہوا ہے (جڑا ہوا ہے) تو اللہ تعالیٰ بھی اس طریقے سے جڑا ہوا ہے، تو یہ تو غلط ہے ! ناممکن ہے یہ !

کیونکہ انسان مخلوق ہے حقیر ہے فقیر ہے محتاج ہے، محتاج ہے کہ اس کے جسم کے حصے ہوں اِن کے بغیر وہ رہ ہی نہیں سکتا۔

خالق جلّ شانہ سبحانہ وتعالیٰ اُس کی اپنی شان ہے اور قرآن وسنت میں جو دلائل ملے ہیں ہم اُن پر اکتفا کرتے ہیں اُن سے مزید نہیں بات کرتے کیونکہ ان کا تعلق علم غیب سے ہے اور جو علم غیب سے ہمیں خبر ملی ہے وہ چند صفات کے تعلق سے ملی ہے۔

مثال کے طور پر کوئی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زبان ہے۔ زبان ہے؟ (سبحان اللہ)۔ کلام تو ہے نا کلام ثابت ہے نا۔ کوئی کہتا ہے "زبان کو ثابت کرو"۔ کیوں بھئی ثابت کریں کیونکہ اس کا نص ہے قرآن مجید میں؟ حدیث میں کہیں پر ہے؟ تو پھر کیوں کہتے ہو تم؟! جس کی دلیل نہیں ہے اس کو مانتے نہیں ہیں جس کی ہے اس کو کیوں نہیں مانتے؟!

یعنی وہ چیز وہ لازم ثابت کرنا چاہتے ہیں جس کی دلیل نہیں ہے اور جس کی دلیل ہے اس کا انکار کرنا چاہتے ہیں! یہ صرف محض شیطان کا بہکاوا ہے اور شبہات ہیں، وہ مخلوق کو اور خالق کو برابر کر کے دیکھ رہے ہیں!

یعنی ایک طرف دیکھیں یہ مخلوقات ہیں اور اُن کے ذہن میں صرف یہی بات آتی ہے کہ خالق بھی ایسا ہونا چاہیے اسے کیا کہتے ہیں؟ سب سے بڑی وجہ تعطیل کی انکار کرنے کی کیا ہے؟ تشبیہ ہے۔ تشبیہ سب سے پہلے ذہن میں آتی ہے (شیطان کا بہکاوا دیکھیں) اور پھر جا کر انکار بھی ہوتا ہے!

یعنی مشبہۃ بھی تشبیہ سے کام لے کر اہل بدعت میں شامل ہو گئے، اور معطلۃ نے بھی (انکار کرنے والوں نے بھی) سب سے پہلے تشبیہ کر کے پھر انکار کیا ہے۔ تو دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں یہ وجہ ہے۔

تو اس میں ہم یہ کہتے ہیں: جسم سے یہ مراد جو تم نے لی ہے یہ غلط ہے، اور جو صحیح معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی اور صفات بھی ہیں صفات کاملہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں، اللہ تعالیٰ کی پنڈلی ہے، اللہ تعالیٰ کا پاؤں ہے، اللہ تعالیٰ کی دو

آنکھیں ہیں (جو بھی صفات یہ ثابت ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ کی صفات خبریہ جنہیں کہتے ہیں جو خبر سے ہمیں معلوم ہوئی ہیں)، اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے، یہ ساری صفات جو ہیں یہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں یہ حق ہیں اور معنی بھی ان کا ہم سب جانتے ہیں۔

اب کیفیت کیا ہے ہم کیفیت نہیں جانتے تو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس سے جسم لازم آتا ہے؟!

بھئی جسم ہم جانتے ہیں نا، ہم جسم کو دیکھتے ہیں اُس کی کیفیت جانتے ہیں پھر جا کر ثابت کرتے ہیں، تم لوگ وہ چیز ثابت کرنا چاہتے ہو جو اللہ تعالیٰ کے لیے ممکن ہی نہیں ہے!

یہ تو معنی ہے معنی کے اعتبار سے یہ ہے۔

وہ لوگ کہتے ہیں "اس سے معنی جو ہے نا جسم لازم آتا ہے": ہم کہتے ہیں کہ جسم لازم نہیں آتا ہے۔

ہمارے اور اُن کے بیچ میں یہی اصل جھگڑا ہے نا: اہل بدعت کہتے ہیں کہ جسم لازم آتا ہے، ہم یہ کہتے ہیں (اہل سنت یہ کہتے ہیں) کہ جسم لازم نہیں آتا ہے، اور پھر اگر تم جسم ہی مانتے ہو تو مانو ہمیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟!

اگر اس سے جسم لازم بھی آتا ہے تمہارے کہنے کے مطابق، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات دونوں کو اگر مانتے ہیں اور تمہارے نزدیک اسے جسم ہی کہا جاتا ہے تو تم جانو تمہارا کام جانے! ہم تو حق کو مانتے ہیں ثبوت مل گیا ہے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے حق ہے اور ثابت کرتے ہیں۔

اب تمہارا یہ کہنا کہ جسم ہے: ہم کہتے ہیں کہ جسم کا لفظ قرآن و سنت میں نہیں آیا ہے نہ نفی میں نہ اثبات میں تو ہم یہ لفظ استعمال نہیں کرتے، معنی صحیح ہے۔ کون سا معنی صحیح ہے جسم کا معنی صحیح ہے؟ نہیں! وہ ذات جس کی صفات ہیں، اب اس کو جو بھی معنی دینا چاہو تم تمہاری مرضی ہے لیکن وہ جسم لازم نہیں آتا جو جسم مخلوق کے لیے تم مانتے ہو، وہ ناممکن ہے!

سوال: اگر وہ کہیں کہ جسم ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں غلط ہے ہم نہیں مانتے۔

سوال: اس کا عقیدہ صحیح نہیں ہے؟

جواب: غلط ہے نا ہم بتا رہے ہیں۔

سوال: اگر وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ ذات اور صفات ہیں اس مراد یہ لیتا ہے جسم کی تب بھی وہ غلط ہے؟

جواب: پھر بھی وہ غلط ہے۔ ثبوت کیا ہے اسے جسم کس نے کہا ہے؟

ورڈ (word) کا ہے بس۔ جو ورڈ موجود نہیں ہے (جس کا لفظ موجود نہ ہو) قرآن وسنت میں ہم کیوں ثابت کریں اسے ؟! اس کی الگ سے دلیل ہونی چاہیے نا ہم کہاں سے دلیل لے کر آئیں گے اس کو ثابت کرنے کے لیے ؟!

اور اسی طریقے سے جہت (سمت) کے تعلق سے بھی کیا وہ سمت ہے جو اللہ تعالیٰ کو محیط ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ ہے یہ سمت اُس سے اوپر ہے پھر؟ تب تو یہ جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے لیے کیونکہ آسمان، سمت یہ سب چیزیں مخلوقات ہیں اللہ تعالیٰ سب سے بلند و بالا ہے ان سب سے اوپر ہے۔

سب سے بڑی مخلوق کیا ہے؟ عرش ہے عرش سے اوپر کوئی مخلوق نہیں ہے۔ عرش سے اوپر کیا ہے؟ خالق ہے سبحانہ وتعالیٰ۔ اگر اس سے تم یہ سمجھتے ہو کہ سمت کا ہونا یہ ہے کہ عرش محیط ہے اللہ تعالیٰ کو، یا کوئی اور چیز محیط ہے اللہ تعالیٰ کو مخلوقات میں سے تو یہ معنی باطل ہے ہم اس کا انکار کرتے ہیں! لیکن اگر سمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے (عرش سے اوپر ہے) اور کوئی چیز اس کا احاطہ نہیں کرتی ہے معنی صحیح ہے لیکن اس کو سمت کیوں کہتے ہو؟!

قرآن وسنت میں اس کی جو ہے نا دلیل موجود نہیں ہے۔

(واضح ہے کہ اگر اس سے جہت لازم بھی آتی ہے) کہ سمت لازم آتی ہے اور سمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش سے اوپر ہے معنی صحیح ہے۔ سمت بھی اسے کہیں گے ہم کیا معنی ہے؟ اوپر ہے نا سمت، اوپر نیچے سمت ہے ناساری (دائیں بائیں، اوپر نیچے)۔ تو اوپر سمت ہے کہ نہیں؟ تو یہ کس نے کہا ہے کہ سمت اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہے؟! وہ سمت جائز نہیں ہے جس میں ایک چیز گھری ہوتی ہے۔

ہم اس کمرے میں گھرے ہوئے ہیں جس کمرے کے اندر موجود ہیں، جو آسمان میں ہیں وہ آسمان میں گھرے ہوئے ہیں، جو زمین کے اندر ہیں وہ زمین کے اندر گھرے ہوئے ہیں۔

جو عرش سے اوپر ہے اسے کس چیز نے گھیرا ہوا ہے؟ کسی نے گھیرا ہوا نہیں ہے نا، کوئی محیط نہیں ہے اسے۔ تو یہ لفظ بھی صحیح ہے علو میں سمت اگر لازم آتی ہے تو صحیح معنی ہے اس میں مسئلہ کیا ہے؟! واضح ہے؟ تو اس میں ہم سمت کا لفظ بھی

استعمال کریں گے، اوپر کی طرف ہم کہیں گے کیونکہ ہے اوپر۔ آسمان کہاں ہے؟ اوپر ہے، تمام دلائل جو موجود ہیں۔ اور علو میں الأعلی عالی کسے کہتے ہیں؟ "الأعلی" سب سے اوپر ہے۔

تو یہ سارے معنی جو ہیں وہ اوپر کی طرف جاتے ہیں، اور تمہارا یہ کہنا کہ اس سے سمت لازم آتی ہے اور سمت مخلوق کے لیے ہوتی ہے پھر جسم کا ہونا، یا باقی جو تم کہتے ہو یہ سب غلط باتیں ہیں اور باطل ہیں۔

یہ پہلی آیت کے تعلق سے چند اہم باتیں تھیں اور چند غلط فہمیوں کا ازالہ جو ہے۔

2- دوسری آیت اللہ تعالیٰ کی صفت علو کے ثبوت میں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ النساء میں: ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ (النساء:158) ((یہ آیت کا حصہ ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں (یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو) اپنی طرف اُٹھالیا ہے)۔

﴿ بَلْ﴾ کا لفظ جو ہے اسے کہتے ہیں "للإضراب الإبطالي": یعنی جو اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے اس کی نفی کرنا، اس کو باطل کر کے اس کے اپوزٹ (Opposite) جو ہے معنی اس سے بنتا ہے۔ کیونکہ کس چیز کو یعنی غلط قرار دیا ہے اور باطل قرار دیا ہے؟ کہ یہودیوں نے کہا ہم نے قتل کیا ہے۔

دیکھیں پوری آیت دیکھیں ذرا سورۃ النساء آیت نمبر 157 اور 158، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ (یہودیوں نے یہ کہا ہے کہ یقیناً ہم نے عیسیٰ ابن مریم علیہم الصلاۃ والسلام کو جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں انہیں قتل کیا): جواب: ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ (نہ ہی انہیں قتل کیا ہے اور نہ ہی سولی پر چڑھایا ہے) ﴿وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ (لیکن اُن کو شبہ ہوا ہے) ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ﴾ (اور وہ لوگ جنہوں نے ان میں سے اختلاف کیا ہے وہ اس میں شک میں پڑ گئے ہیں) ﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ﴾ ((شک میں کیوں ہیں؟) کیونکہ اُن کے پاس کوئی علم نہیں ہے مگر صرف شکوک وشبہات کی پیروی کرتے ہوئے) ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾ (یقینی بات یہ ہے کہ انہوں نے قتل ہی نہیں کیا اُنہیں)۔

یہودیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو قتل نہیں کیا ہے ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾ فیصلہ ہو گیا نا، یقیناً۔ تو ہوا کیا ہے؟ ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾: جب اس پورے شبے کا رد کیا تو فوراً فرمایا ﴿بَلْ﴾ یعنی جو

پہلے بیان کیا ہے اُس کے برعکس اُس بات یہ ہے اسے کہتے ہیں "للإضراب الإبطالي" "بل اس لیے استعمال ہوتا ہے عربی زبان میں۔

﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾: یعنی ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۞ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ...۞﴾

: یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ جب قتل نہیں کیا تو موجود نہیں پھر کہاں ہیں؟ ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾: اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اُٹھالیا ہے)۔

اور شاہد اس میں ہم صفت علو کی بات کر رہے ہیں ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾: یہ حصہ ہے۔

اور یہ صریح ہے اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر علو میں ہے اور بلندیوں پر ہے کیونکہ جب رفع کی بات ہم کرتے ہیں کسی چیز کو تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جس چیز سے رفع کیا جا رہا ہے وہ اوپر کی طرف ہے۔

اُٹھانا کسے کہتے ہیں؟ نیچے سے اوپر کی طرف اُٹھانا ہی ہوتا ہے نا۔ رفع کا لفظ ہم کہتے ہیں "اُٹھانا"۔ اُٹھانا اوپر سے نیچے کی طرف ہوتا ہے یا نیچے سے اوپر کی طرف ہوتا ہے؟ نیچے سے اوپر کی طرف۔ "میں یہ کپ اُٹھا رہا ہوں" نیچے سے اوپر کی طرف ہے نا، رفع اسے کہتے ہیں۔

﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ (اپنی طرف اُٹھالیا) تو اللہ تعالیٰ خود کہاں ہے نیچے ہے؟! ہر جگہ ہے؟!

واضح لفظ ہے صریح لفظ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے بلندیوں پر ہے اور اسی لیے اپنے پیارے پیغمبر سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو بھی آسمانوں کی طرف اُٹھایا ہے۔

3- تیسری آیت میں تیسری دلیل کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت علو ثابت ہے سورۃ فاطر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾ إلى آخر الآية (فاطر:10)۔

﴿اِلَيْهِ﴾: یعنی "إلى الله عز وجل": اللہ تعالیٰ کی طرف۔

﴿ يَصْعَدُ ﴾: اوپر کی طرف جانے کو کہتے ہیں۔ "صَعَدَ ": اوپر کی طرف گیا۔ ﴿ يَصْعَدُ ﴾: اوپر کی طرف جاتا ہے۔

﴿يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾: جو ﴿الْكَلِمُ﴾ ہے اسم جمع ہے اور ﴿الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾: میں ہر وہ چیز ہر وہ کلمہ یعنی کلمہ

طیبہ سے لے کر ہر وہ اچھی بات جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔﴿الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾: اچھی عبارات، اچھے جملے، اچھے الفاظ، اور اچھے وہ ہوتے ہیں جو قرآن وسنت سے ثابت ہوں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں۔

اور سب سے افضل کلمہ اور ذکر کیا ہے؟"لا إله إلا الله"، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اور کلمہ طیبہ بھی یہی لاإلہ إلا اللہ ہے، اور کلمة الطیب کی بنیاد اور اساس بھی یہی ہے لاإلہ إلا اللہ۔

کیا صرف یہی ہے یا کوئی بھی ہے؟ جب اس کا مطلق کہہ دیا ہے تو بنیادی طور پر یہی معنی ہے "لاإلہ إلا اللہ" یہی کلمہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہر وہ لفظ، ہر وہ کلمہ، ہر وہ جملہ جس سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل ہوتی ہو یہ سب کلمة الطیب میں شامل ہیں، جیسے قرآن مجید کی تلاوت ہے، ذکر ہے، علم ہے، أمر بالمعروف والنهي عن المنكر ہے۔

ہر وہ کلمہ شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کر دیتا ہے وہ کلمہ طیبہ ہے "تصعد إلي الله عز وجل"(اللہ تعالیٰ کی طرف بلندیوں پر جاتا ہے)"وتصل إليه"(اللہ تعالیٰ کو پہنچتا ہے)، اور عمل صالح بھی اُسے بلند کرتا ہے، جو کلمہ طیب ہے (جو اچھے الفاظ ہیں، جو ذکر اور تلاوت قرآن ہے) اوپر کی طرف جاتے ہیں۔

عمل صالح جو ہم کرتے ہیں وہ کہاں جاتے ہیں؟ وہ بھی اوپر کی طرف جاتے ہیں (سبحان اللہ)۔

جب اللہ تعالیٰ کی طرف جاتے ہیں اور اوپر ہی کی طرف جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ (سبحان اللہ) تو اس سے واضح ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ علو میں ہے۔

4- چوتھی آیت اللہ تعالیٰ کی صفت علو کو ثابت کرنے کے لیے سورۃ غافر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا... ۝﴾ إلي آخر الآية (غافر:36-37)۔

ہامان فرعون کا وزیر ہے حکم دے رہا ہے فرعون ہامان کو: ﴿يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا﴾: میرے لیے ایک بلند عمارت ایک ٹاور بنادے (ٹاور کہتے ہیں نا)۔

میرے لیے ایک ایسا ٹاور بنا دے بلڈنگ بنا دے وجہ کیا ہے کس لیے ؟ ﴿لَّعَلِّيٓ أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ۝٣٦ أَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ﴾ :یعنی میں آسمان کے اُن راستوں تک پہنچنا چاہتا ہوں۔

کیوں؟ ﴿فَأَطَّلِعَ إِلَىٰٓ إِلٰهِ مُوسٰى﴾ :تاکہ میں موسیٰ کے اِلہ کو(معبود کو،ربّ کو) دیکھوں۔

﴿فَأَطَّلِعَ إِلَىٰٓ إِلٰهِ مُوسٰى﴾(سبحان اللہ)تاکہ میں براہ راست موسیٰ کے اِلہ کو دیکھ لوں،یعنی اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔وجہ کیا ہے ؟ کیونکہ سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے ؟ دیکھیں یہ لفظ موجود نہیں ہے لیکن اس سے لازم آتا ہے کہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے عرش پر ہے ؟

تو فرعون نے جیسے کہا نا ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى﴾(النازعات:24): تکبر میں کہہ بیٹھا! اب یہ کیسے ممکن ہے کہ ربّ تو اَعلی میں ہوں میرے اوپر بھی کوئی ہے ؟! چلو(ہامان کو حکم دیا)بناؤ بہت بڑی ایک بلڈنگ بناؤ،ایسا ٹاور بناؤ جو آسمان کے ایسے راستے تک مجھے پہنچا دے جس سے میں براہ راست سیدنا موسیٰ(علیہ الصلاۃ والسلام) کے ربّ کو دیکھ لوں۔

یہ کہا کیوں فرعون نے ؟ شیخ صاحب فرماتے ہیں اس کی دو وجوہات ہیں:(۱)ایک تو حقیقتاً یہ کا ہو گا اور یہ ٹاور بنایا بھی ہو گا اور جا کر اس نے دیکھا بھی ہو گا۔(۲)دوسری بات اس تکبر سے کہتے ہوئے صرف مذاق اُڑاتے ہوئے سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا اور یہ کہنا کہ دیکھیں اگر ایسی بات ہے تو ہم ٹاور بنا کر دیکھ لیتے ہیں۔

وجہ جو بھی ہو لیکن یہ بات اصل ہے ﴿وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا﴾ :اصل بات یہ ہے(فرعون نے کہا) مجھے یقین ہے کہ یہ بندہ جھوٹ بول رہا ہے(یعنی سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام(نعوذ باللہ) یہ جھوٹ بول رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے بلندی پر ہے)۔

اور یہ ساری باتیں کیوں کر رہا ہے ؟ صرف اپنی قوم کو بے وقوف بنا رہا ہے۔

فرعون کیوں باتیں کر رہا ہے یہ ؟ اپنی قوم کو جھوٹ کہہ چکا ہے کہ میں تمہارا سب سے بڑا ربّ ہوں۔اب سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ابھی دعوت لے کر نہیں آئے(دعوت توحید نہیں لے کر ابھی اللہ تعالیٰ کا پیغام نہیں لے کر آئے) کہ بنی اسرائیل کو جو ہے آزاد کر دو تو وہ ربّ تو بن بیٹھا تھا سب کا! اب اچانک ایک شخص آ کر کہتا ہے کہ نہیں! میرا ربّ

اللہ ہے جو تمام مخلوقات کا ربّ ہے جس نے تمہیں اور مجھے بھی پیدا کیا ہے اور ہے وہ آسمانوں پر (عرش پر ہے) جیسا کہ اُس کے شایان شان ہے۔

حق بات یہ ہے کہ فرعون نے اپنے دل سے یقیناً جان لیا تھا (بتاتا ہوں ابھی میں)، دل سے مان چکا ہے لیکن اگر مان لیتا ہے زبان سے تو بات ختم ہو گئی نا اس کی اپنی بادشاہت کہاں گئی؟! تو اُس نے یہ بہانہ بنایا ہے صرف اپنے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے تاکہ وہ اپنی جگہ کو برقرار رکھ سکے (صرف)۔

اس کی دلیل کیا ہے کہ وہ یقیناً اپنے دل سے جانتا تھا کہ وہ سب سے بڑا نہ ربّ ہے اور نہ ہی وہ خالق ہے بلکہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اسے بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے؟

سورۃ الاسراء میں، شیخ صاحب فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآىِٕرَ﴾إلى آخر الآية(الاسراء:102)۔

﴿لَقَدْ﴾: لام ہے اور "(قد)": یقیناً، تحقیق۔

﴿عَلِمْتَ﴾: تم نے خوب جان لیا۔

﴿مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ﴾: ان کو نہیں نازل کیا مگر: ﴿اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾: آسمانوں اور زمین کے ربّ نے۔

﴿بَصَآىِٕرَ﴾: تاکہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

یہ جو آیات بینات ہیں "تِسعَ آیات" ہلا کر رکھ دیا کس کے حکم سے ہیں؟ کس نے نازل کی ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اُسے بھی یقین تھا (فرعون کو بھی یقین تھا) لیکن وہ جادو کہتا رہا بہانے بناتا رہا صرف اپنی جگہ کو برقرار رکھنے کے لیے (سبحان اللہ)۔

اور دوسری دلیل سورۃ النمل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ (النمل:14)۔

﴿وَجَحَدُوْا بِهَا﴾: انکار تو کر دیا ہے۔

﴿وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ﴾: نفس کے اندر استیقنت ہے (یقین ہے)۔ شک نہیں ہے یقین ہے لیکن انکار کیوں کیا؟ جحد کیوں کیا؟

﴿ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾: ظلم کرتے ہوئے اور تکبر کرتے ہوئے کہ ہماری تو بڑی شان ہے ہم کیسے مان سکتے ہیں؟! اگر مان لیتے تو اپنا سب کچھ ختم ہوانا (سبحان اللہ)۔

اگر مان لیتا تو بادشاہ بھی باقی رہتا اور اہل اسلام اہل ایمان میں سے ہوتا (سبحان اللہ) لیکن توفیق نہیں ہوئی اسے! جس نے ربّ کا مقابلہ کیا ہے وہ کہاں کبھی کامیاب ہو سکتا ہے اور کہاں اسے توفیق ہو سکتی ہے؟!

دیکھیں اللہ تعالیٰ نے کتنا موقع دیا ہے اتنی ڈھیل! دیکھیں ایک آیت نہیں ایک عذاب نہیں اور عذاب بن کر آیات آئیں تھیں مختلف ﴿تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ﴾ (الاسراء: 101): یعنی سانپ سے لے کر آپ دیکھیں پانی کے خون ہونے تک (پانی جو ہے نا پانی خون بن گیا) اگر بنی اسرائیل میں سے پانی پیے تو پانی ہے، وہی پانی فرعون میں سے قبطی کوئی ڈالے اپنے برتن میں تو خون بن جاتا ہے!

اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے یہاں تک یہ کیا ہے کس کے حکم سے ہو رہا ہے، اس کو پتہ ہے یقیناً جان لیا ہے اُس نے کیونکہ جو جادوگر تھے چالیس جن کی اُس نے پرورش کی ہوئی تھی اور پالا ہوا تھا وہ تو ایمان کی حالت میں سجدہ کر کے اُن کو قتل بھی کیا سولی پر چڑھایا تو دنیا سے چلے گئے نا، اُسے یقین ہے کہ یہ جادو نہیں ہے کیونکہ جو اصل جادو کرنے والے تھے وہ خود مان چکے ہیں کہ یہ جادو نہیں ہے (دیکھیں جو اسپیشلسٹ ہے اسے بہتر پتہ ہوتا ہے نا)، اب فرعون خود تو جادوگر نہیں ہے لیکن جادوگروں کے ساتھ رہ کر تو وہ بھی دیکھتا تھا نا! جب خود کہہ رہا ہے جو جادوگر ہے اور ایک نہیں چالیس جادوگر جو کئی سالوں سے تربیت یافتہ تھے اور انہوں نے یقین کیا مان لیا کہ سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام لاٹھی لے کر جو سانپ بنی ہے یہ جادو نہیں ہے یہ حقیقتاً لاٹھی سانپ بن گئی ہے، ہماری رسیاں لکڑیاں جو ہیں ہم تو لوگوں کو آنکھوں کو دھوکا دے کر انہیں یعنی سانپ بنا دیتے ہیں اور ثبوت یہ ہے کہ اس لاٹھی نے وہ سانپ اژدھا نے اُن سب کو نگل لیا!

لکڑی کہاں رسّی کو کھا سکتی ہے ؟! تو یقیناً اُس کی جو اصل حیثیت تھی اللہ تعالیٰ نے بدل دی لاٹھی اصل سانپ بن گئی تھی "کن فیکون ہے"۔

اور پھر جوں ہی ہاتھ لگاتے ہیں سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام وہی سانپ لاٹھی بن جاتا ہے "کن فیکون ہے"۔

تو وہ تو پتہ چل گیا ہے اب فرعون نے کیوں نہیں مانا؟ دیکھیں گھمنڈ دیکھیں ! اور دیکھیں جب اللہ تعالیٰ دل پر مہر لگا دیتا ہے (نعوذ باللہ) کہتا ہے یہ تمہاری ملی بھگت ہے میں جانتا ہوں سب میرے خلاف سازش کی ہے تم لوگوں نے مل کر مجھے پتہ ہے ! ابھی تم کہہ رہے تھے کہ تم میرے سب سے زیادہ قریب ہو گے۔

ابھی صبح کے وقت کی بات ہے انہوں نے کہا کہ اگر ہم جیت جاتے ہیں یہ مقابلہ تو پھر ہمیں کیا ملے گا؟ پہلے بھی قریب تھے اور بھی تمہیں میں عزت سے نوازوں گا میرے زیادہ قریب ہو جاؤ گے تم۔

کیسے ؟ ملی بھگت کیسے ہو گئی ؟! صرف کیا ہے ؟ اپنی جگہ کو بچانے کے لیے پھر بہانے بنا رہا ہے پھر لوگوں کو بے وقوف بنا رہا ہے ! اور دیکھیں لوگ بے وقوف بنتے رہتے ہیں حالانکہ حق واضح تھا ! لیکن (سبحان اللہ) بعض لوگوں کے یعنی دلوں پر اتنی مہر لگ جاتی ہے غشی کے پردے آجاتے ہیں (نعوذ باللہ) کہ حق کو دیکھ کر بھی قبول نہیں کرتے۔

(دیکھیں حق کو دیکھ کر بھی قبول نہیں کرتے نعوذ باللہ !)۔

آخری وقت میں کیا کہا اُس نے ؟ جب پانی سَر سے گزر گیا تھا نا اور غرق ہونے لگا پھر بھی اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا نہ اسے توفیق ہوئی ! بنی اسرائیل کے ربّ پر ایمان لے کر آتا ہوں (یونس:90)، نہیں اب وقت ختم ہو گیا ہے !

اب روح جب حلق تک پہنچتی ہے نا اب توبہ کا دروازہ بند ہو گیا تھوڑی دیر پہلے کر لیتے نا!

دیکھیں (سبحان اللہ) توفیق نہیں تھی ! آج بھی عبرت کے لیے آپ دیکھتے ہیں فرعون جو ہے اس کا جسم آج بھی موجود ہے (إنا لله وإنا إليه راجعون)۔ کتنی بڑی مصیبت ہے ! یعنی ایک شخص کی زندگی ایسے گزری کہ اُس نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے ! دیکھیں فرعون مر چکا ہے فرعونیت آج بھی زندہ ہے۔

میں کیوں یہ کہہ رہا ہوں؟ مصیبتیں آج بھی موجود ہیں ! لوگ چلے جاتے ہیں لیکن یہ مصیبت (فرعونیت کی مصیبت) آج کئی گھرانوں میں آپ کو نظر آئے گی ! گھمنڈ ہے، تکبر ہے، حق کو نہیں ماننا ہے قبول نہیں کرنا ہے وغیرہ وغیرہ (یہ ساری چیزیں)، ظلم کرنا ہے ستم کرنا ہے، ناجائز قبضہ کرنا ہے اور اپنی بات کو لازمی منوانا ہے، حقائق میں ردّوبدل کرنا

ہے، شبہات و خرافات سے کام لینا ہے لیکن حق کو نہیں ماننا ہے بہانے بنانے ہیں! اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی چال چلنی ہے اور لوگوں کو بے وقوف بناتے ہوئے اپنی پیچھے لگانا ہے!

تو فرعونیت آپ دیکھتے ہیں کہ آج بھی موجود ہے، ابلیسیت لوگوں میں موجود ہے! شیطانیت لوگوں میں موجود نہیں ہے (انسانوں میں)؟!

تو اس لیے اگر اللہ تعالیٰ نے اُس بڑے کو نہیں چھوڑا ہے تو پھر یہ چھوٹے کہاں جائیں گے؟!

تو عبرت ہوتی ہے نا یہ سارے قصے کہانیاں کیا ہیں؟! یہ فیری ٹیلز (Fairy Tales) نہیں ہے کہ بچوں کو سنانے کے لیے پڑھایا جاتا ہے سمجھایا جاتا ہے، عبرت کے لیے یہ قصے ہیں! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سورۃ یوسف کے آخر میں کیا ہے یہ قصص کس لیے ہیں؟ بھئی عبرت ہیں سبق حاصل کرو سبق کیا تمہیں مل رہا ہے!

یہودی آج موجود ہیں کہ نہیں؟ آج بھی موجود ہیں۔ کیا مانتے ہیں؟ کیوں نہیں مانتے ہیں؟ عبرت حاصل نہیں کی، سبق حاصل نہیں کیا ہے۔

اور ہر وہ شخص جو حق کو دیکھ لیتا ہے اور قبول نہیں کرتا ہے اس کا رڈ کر دیتا ہے اس کی مخالفت بھی کرتا ہے بڑھ چڑھ کر مخالفت کرتا ہے وہ اُتر چکا ہے فرعونیت پر اور اس کا انجام بھی بُرا ہونے والا ہے! یاد رکھیں اگر سنبھل نہیں جاتا توبہ نہیں کرتا (اور توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے سب کے لیے)، اگر توبہ نہیں کرتا واپس نہیں پلٹتا حق کی طرف تو پھر تو اُس کی خیر نہیں ہے!

الغرض واپس آتے ہیں:

تو اس میں پورے قصے میں اس آیت میں جو شاہد ہے وہ یہ ہے کہ فرعون کا یہ حکم دینا ہامان کو کہ بہت بلند عمارت بنا دے میرے لیے تاکہ میں موسیٰ (علیہ الصلاۃ والسلام) کے ربّ کو دیکھوں موسیٰ کے اِلہ کو دیکھوں، تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر بلندیوں پر علو میں ہے۔

اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو سابقہ شریعتیں ہیں تورات اور انجیل میں بھی اس کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے بلندیوں پر ہے۔

اچھا اس کا ایک مذاق بھی ہے جو یہودیوں نے بنایا ہوا ہے بچپن میں کارٹون دیکھتے تھے نا یہ ہمٹی ڈمٹی (Humpty Dumpty) وہ جو ایگ (Egg) والا تھا یاد ہے کسی کو؟ دیوار بنتی ہے دیوار بنتی ہے پھر وہ انڈہ جو ہے نا وہ اوپر کی طرف چلا جاتا ہے پھر گرتا ہے ٹوٹ جاتا ہے۔

وہ پتہ ہے کیا بتا رہے ہوتے ہیں؟ وہ اسی کو ریفلیکٹ (Reflect) کر رہے ہوتے ہیں کہ فرعون نے حکم دیا کہ بلند بلڈنگ بناؤ تاکہ میں موسیٰ (علیہ الصلاۃ والسلام) کے ربّ کو دیکھ لوں، تمہاری حیثیت انڈے جیسی ہے اور انڈہ جب اوپر سے گرتا ہے تو اس کا کیا بچتا ہے؟ (وہ اس کا اس اعتبار سے مذاق اڑا کر کہتے ہیں آج بھی دیکھیں یہ چیزیں موجود ہیں!)۔

کارٹون یاد ہے یہ؟ ڈرائینگز (Drawings) بھی ہوں گی اس کی۔ بہت بڑی بلڈنگ جا رہی ہے اور انڈے کو حکم دیتا ہے بہت بڑی بلڈنگ بناؤ، وہ بڑی بلڈنگ بناتا جاتا ہے بناتا جاتا ہے اوپر چڑھتا جاتا ہے پھر جب پھسلتا ہے اوپر سے گرتا ہے ٹوٹ جاتا ہے، بھئی تمہاری حیثیت تو کوئی ہے نہیں! یعنی یہ آج بھی مانتے ہیں (سبحان اللہ)۔

کیونکہ وہ تورات جسے تبدیل نہیں کیا گیا ہے اس میں یہ واضح پیغام موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے عرش پر مستوی ہے (سبحان اللہ)۔

6/5-اگلی دلیل پانچویں اور چھٹی آیات، سورۃ الملک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا ہِیَ تَمُوۡرُ ﴿۱۶﴾ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ ﴿۱۷﴾﴾ (الملک:16-17)۔ سورۃ الملک کی یہ دو آیتیں ہیں۔

﴿ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ﴾: کیا تم اس ذات کے امن میں آگئے ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے، یا تم اُس سے امن میں ہو کہ وہ تمہارے اوپر پتھروں کی بارش کر دے۔

آسمان میں کون ہے؟ اس سے مراد یہاں پر اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ یہ مقام جو ہے یہ نہیں فرمایا کہ ''ءأمنتم الله الذي في السّمَاء'' یہ نہیں فرمایا: ﴿ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ﴾: اور جو اظہار عظمت ہے وہ زیادہ ہے اس لفظ میں (عظمت کا جب اظہار کیا جاتا ہے تو نام نہیں لیا جاتا، اُس طرف ضمیر کا اشارہ کیا جاتا ہے یا ذکر کیا جاتا ہے صرف) کہ وہ تمہارے اوپر ہے تم پر قادر بھی ہے اور تم اس کے قبضے میں ہو، اسی کا حکم چلتا ہے اور وہ تمہیں سزا بھی دے سکتا ہے۔

اور سچ بات یہ ہے کہ واللہ کوئی بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے امن میں نہیں سوچ سکتا نہ رکھ سکتا ہے! ہم سب ڈرتے ہیں کہ اگر ہمارے گناہ بڑھ جائیں تو زمین میں ہم دھنس بھی سکتے ہیں، پتھروں کی بارش بھی ہو سکتی ہے!

شیخ صاحب فرماتے ہیں: آج کل جو ہو رہا ہے ہم دیکھتے ہیں لینڈ سلائیڈ نگ (Landsliding) جسے کہتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ اسی خسف میں سے ہے۔

دیکھیں وہ اس طریقے سے الفاظ لے کر آتے ہیں تاکہ لوگوں کو جو ہے نا یہ آسان جملے لگیں۔

زمین کے دھنسنے کے مختلف الفاظ ہیں: ایک تو جو لینڈ سلائیڈ نگ (Landsliding) ہوتی ہے پہاڑوں میں یا زمین میں کوئی حصہ دَب جاتا ہے، یہ ساری چیزیں جو ہیں یہ اسی خسف میں سے ہیں۔

یعنی نیچے سے زمین ہے اوپر سے آسمان ہے جو آسمان میں ہے اگر وہ تمہیں عذاب دینا چاہے تو وہ خشکی میں بھی دے سکتا ہے اور تَری میں بھی دے سکتا ہے۔

اچھا خشکی میں تو زمین ہے دھنسا دے گا اگر زمین سے نکل کر تَری میں چلے جاؤ سمندر میں چلے جاؤ پھر زمین تو نہیں ہے خسف کیسے ہو گا؟ تو پتھروں کی بارش سے بچ سکتے ہو؟! یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تم بچ نہیں سکتے ہو، جب تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا عذاب مقرر ہو جاتا ہے تو نہ تم خشکی میں بچ سکتے ہو نہ تم تَری میں بچ سکتے ہو، اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے!

اور یہ ہم دیکھ چکے ہیں، زمین کے دھسنے کا عذاب بھی دیکھ چکے ہیں، پتھروں کی بارش کا عذاب بھی یعنی اس معنی میں دیکھ چکے ہیں کیونکہ ہمیں یقین ہے جو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے وہ حق ہے جیسا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ سیدنا لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے قصے میں دیکھا ہے آپ نے کیا ہوا ہے؟ اُس میں خسف بھی ہوا ہے، اوپر کی طرف بھی اُٹھایا گیا ہے، پھر پتھروں کی بارش بھی کی گئی ہے (یعنی خسف بھی کیا گیا ہے دھنسایا گیا ہے پھر پتھروں کی بارش بھی کی گئی ہے (نعوذ باللہ))، سب عذاب مل گئے ہیں!

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں ڈرایا ہے کہ تم اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے، تم نہ نیچے سے محفوظ نہ اوپر سے محفوظ ہو!

ہماری حیثیت دیکھی ہے! ہماری اوقات دیکھی ہے! ہم گناہ کرنے کے لیے تو کبھی شاید جیسے مکھی بیٹھتی ہے ناپانی کی طرف بس یونہی ہٹا دیا، ایسے گناہ ہمارے سامنے ہوتے ہیں (إلا من رحم الله سبحانه وتعالى)، لیکن حقیقت بات یہ ہے کہ

اگر اللہ پکڑنا چاہے چھوٹے گناہ پر اللہ تعالیٰ پکڑ لیتا ہے تاکہ آئندہ اس بندے سے گناہ نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ ڈھیل بھی دے دیتا ہے بہت سارے لوگوں کو تاکہ توبہ کر لے۔

تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور پکڑ سے کوئی محفوظ نہیں ہے، اصل پیغام یہ ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں بڑا نمازی ہوں میں محفوظ ہو چکا ہوں، میرا عقیدہ ہے کہ میں سلفی ہوں میں محفوظ ہو چکا ہوں۔ نہیں میرے بھائی! اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اسے تقویٰ کہتے ہیں۔

تقویٰ کی بات کیوں بار بار آتی ہے اتَّقُوا اللّٰہ؟ جمعہ کے خطبے میں سب سے بڑا پیغام جو بار بار دہرایا جاتا ہے وہ ایک ہی ہے وہ کون سا ہے؟ "اتَّقُوا اللّٰہ" اللہ سے ڈرو اللہ کی پکڑ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو، ایسا کچھ کام کر جاؤ کہ تمہارا ربّ تم سے راضی ہو جائے اور اس کے عذاب سے تم کوئی بچاؤ بنا لو اور بچ سکو اور محفوظ ہو جاؤ (اصل پیغام یہ ہے)۔

اب واپس آتے ہیں:

﴿مَّنۡ فِی السَّمَآءِ﴾: اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ علو میں ہے آسمان میں ہے لیکن اس میں شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ ﴿فِی﴾ ظرفیہ کے لیے ہے "میں": اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے (وہ جو آسمان میں ہے)، اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آسمان نے اللہ تعالیٰ کو گھیرا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں "پانی گلاس میں ہے" تو مطلب ہے کہ گلاس نے پانی کو گھیرا ہوا ہے (ایسا ہوتا ہے نا)، تو ظاہر سے یہ لازم آتا ہے آسمان اللہ تعالیٰ کو محیط ہے اگر ہم یہ مان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر آسمان میں ہے (تو مخالفین نے یہ کہا ہے): اور جب ظاہر باطل ہے تو پھر ہم علم الیقین سے جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ نہیں ہے اور قرآن وسنت کا ظاہر کبھی باطل ہو نہیں سکتا۔ تو مخالفین نے یہ اعتراض کیا ہے اس اعتراض کا اشکال اور جواب شیخ صاحب فرماتے ہیں: علماء نے دو قسم کے جواب دیئے ہیں دو راستے اختیار کیے ہیں اس جواب میں:

1- پہلا راستہ یہ ہے کہ ہم آسمان کو کہیں "العلو" (آسمان کی جگہ العلو) بلندی کو بھی عربی زبان میں آسمان کہا جاتا ہے، عربی زبان میں بلندی کو بھی "السماء" کہا جاتا ہے، عربی زبان میں بھی اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ موجود ہے کہ لفظ آسمان ہے لیکن اس سے مراد علو ہے آسمان نہیں ہے جو آسمان یہ ہمیں نظر آتا ہے۔

("علو" بلندی ہے، آسمان جو ہمیں نظر آتا ہے یہ، تو آسمان کو آسمان "السماء" بھی کہتے ہیں، اور علو کو بھی "السماء" کہتے ہیں عربی میں)۔

قرآن مجید میں سورۃ الرعد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا﴾ (الرعد:17)۔

﴿اَنۡزَلَ﴾: اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔

﴿مِنَ السَّمَآءِ﴾: آسمان سے۔

﴿مَآءً﴾: پانی۔

﴿فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا﴾: پھر وہ جو پانی کے چشمے ہیں وہ جیسے اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے ویسے زمین پر بن گئے ہیں۔

پانی آسمان سے آتا ہے یا بادل سے آتا ہے؟ بادل سے برستا ہے نا۔ اور یہاں پر لفظ سحاب کا نہیں ہے بلکہ سَمَاء کا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ بارش بلندی سے برساتا ہے (تو معنی بلندی ہے لیکن لفظ آسمان کا بیان کیا گیا ہے)۔

اور جو بادل ہیں وہ کہاں ہوتے ہیں؟ آسمان اور زمین کے بیچ میں ہوتے ہیں نا۔ بلندی اور زمین کے بیچ میں کیا ہوتا ہے؟ بادل ہوتے ہیں، تو اصل بارش بادل سے برستی ہے۔

تو یہاں پر سَمَاء فرمایا ہے یعنی بلندی سے جس میں بادل بھی ہوتے ہیں تو سَمَاء مطلب "العلو" اس سے مراد یہ ہے۔ اگر یہ معنی ہے تو اس میں بات ختم ہو گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے نا کہ آسمان میں ہے ﴿فِي السَّمَآءِ﴾ کے جملے میں یہ معنی لازم نہیں آتا۔

2- دوسرا جواب کہ ہم ﴿فِي﴾ کو "علي" بنا دیں (یعنی فِی کا معنی اصل میں عَلَی ہی ہے)۔

اور عربی زبان کا ایک قاعدہ ہم جانتے ہیں پہلے بیان کر چکا ہوں کئی دفعہ کہ حرف الجر جو ہے ایک دوسرے کی جگہ لے لیتے ہیں، یہ انداز بیان کی خوبصورتی اس میں موجود ہوتی ہے، یعنی: ﴿فِي السَّمَآءِ﴾ "على السماء": ﴿مَّنۡ فِي السَّمَآءِ﴾ یعنی "من على السماء" (جو آسمان سے اوپر ہے)۔

عَلَی اوپر کے لیے ہوتا ہے، فِی ظرفیہ کے لیے ہوتا ہے، فِی میں احاطے کا معنی پایا جاتا ہے عَلَی میں نہیں ہوتا عَلَی اوپر کو کہتے ہیں۔

تو ﴿فِي السَّمَآءِ﴾ "على السماء": اور عربی زبان میں بھی یہ معنی موجود ہے کہ "فِی" عَلَی کی جگہ لے لیتا ہے، یا "فِی" عَلَی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اوپر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور قرآن مجید میں بھی موجود ہے (سبحان اللہ)۔

سورۃ طہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ (طہ:71)۔

اُن چالیس جادوگروں کو جب وہ اسلام قبول کر کے توبہ کر کے مومن ہو گئے تو دھمکی دی فرعون نے اور کہا کہ میں تمہیں ﴿وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ﴾ (یقیناً تمہیں سولی پر چڑھادوں گا) ﴿فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ (کھجور کے درختوں میں ﴿فِي﴾)۔

اچھا جب سولی پر کسی کو چڑھایا جاتا ہے درخت کے اوپر درخت میں اندر دھنسا دیتے ہیں یا درخت کے اوپر ہوتا ہے؟ سولی پر کبھی دیکھا ہے؟ صلب کسے کہتے ہیں عربی زبان میں؟ سولی پر چڑھانا اردو میں ترجمہ کرتے ہیں جسے کروسیفکشن (Crucifixion) بھی کہتے ہیں کیا ہوتا ہے؟ اُس زمانے میں درخت ہوتے تھے درخت میں لٹکا دیتے تھے (لٹکانا) ہاتھوں میں کیل وغیرہ لگا کر لٹکا دیتے تھے (ہاتھوں پاؤں میں اس طریقے سے)۔

﴿وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾: ﴿فِيْ﴾: اندر تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ کوئی شخص یہ کہے کہ فرعون نے جب یہ کہا ہے کہ میں تمہیں سولی پر چڑھادوں گا درختوں میں، تو درخت کے اندر سولی پر چڑھایا ہے۔

یعنی درخت کو کھودا ہے کاٹ کر پھر اُن کو اندر دھنسایا ہے پھر مار دیا ہے یہ معنی ہے، یا درخت کے اوپر ہی سولی پر چڑھایا ہے جیسا کہ لوگ ظاہر دیکھتے ہیں اور معنی بھی یہی ہے؟! تو اس سے کیا مراد ہے؟ کہ سولی پر چڑھانا جو ہے اس سے مراد "على جذوع النخل" اور یہی معنی ہے۔

تو ﴿مَّنْ فِي السَّمَآءِ﴾ یعنی "من على السماء": تو یہ اس کا جواب ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک اور اشکال لے کر آئے ہیں: اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ اِس آیت کو اِس آیت کے ساتھ کیسے جوڑ سکتے ہیں آپ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ الزخرف میں ﴿وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ﴾

إلي آخر الآية(الزخرف:84): اور دوسری آیت سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ﴾(الانعام:3)؟!

اس کا جواب شیخ صاحب فرماتے ہیں ہم یہ کہتے ہیں پہلی آیت میں: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَاۗءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ﴾ سورۃ الزخرف 84 میں: ظرف جو ہے وہ الوہیت کے لیے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت ثابت ہے آسمانوں اور زمین میں، اللہ تعالیٰ کی ذات مراد نہیں ہے (تو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اس سے مراد ہے)، یعنی اللہ تعالیٰ سچا معبود ہے زمین پر بھی اور آسمان میں بھی، اللہ تعالیٰ کی توحید عبادت کرتے ہیں آسمان والے بھی زمین والے بھی، یہ معنی ہے نا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے زمین میں ہے اور آسمان میں بھی ہے۔((واضح ہے؟))۔

کیونکہ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے تو اس کو بھی پکڑا ہے "دیکھیں یہ ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے"، جبکہ بات غلط ہے! اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے (سبحانہ وتعالیٰ)۔

اور یہاں پر لفظ دیکھیں آپ لفظ کیا ہے؟ إلہ کا لفظ ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَاۗءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ﴾: تو ظرف جو ہے ﴿فِي السَّمَاۗءِ﴾ کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ کی الوہیت ہے۔

یعنی جیسے کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ فلاں مدینہ اور مکہ کا امیر ہے اور خود ایک جگہ پر رہتا ہے (یا مدینہ میں یا مکہ میں) لیکن اُس کی امارت دونوں میں چلتی ہے کہ نہیں؟ تو آپ کہیں گے کہ مکہ کا امیر ہے یا مدینہ کا امیر ہے اور خود کہاں رہتا ہے وہ دونوں میں رہتا ہے؟! جگہ تو ایک جگہ پر ہو گی نا لیکن اس کی امارت دوسری جگہ پر چلے گی کہ نہیں چلے گی؟

تو یہاں پر ﴿اِلٰهٌ﴾ سے مراد الوہیت ہے نا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات جو ہے وہ آسمانوں پر ہے عرش پر مستوی ہے (سبحانہ وتعالیٰ)۔

دوسری آیت: ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ﴾: وہی بات ہے ﴿وَهُوَ اللّٰهُ﴾: یعنی "الإله الذي ألوهيته في السماوات وفي الأرض": اور اس میں بھی یہی معنی پایا جاتا ہے ﴿اللّٰهُ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کی الوہیت ہے کیونکہ وہ سچا معبود ہے اور وہ خوب جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو جو تم ظاہر کرتے ہو۔

یعنی اس آیت میں دیکھیں آپ ذرا (دوسری آیت میں): ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ﴾ (اور وہ اللہ ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے جو خوب جانتا ہے تمہارے سر کو اور تمہارے جہر کو (جو تم چھپاتے ہو اور جو تم دکھاتے ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے))(الانعام:3)۔

اچھا اس میں تو اللہ تعالیٰ کا نام موجود ہے ، کیسے اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے آسمانوں اور زمین میں ؟ تو پھر اس آیت کا اختتام جو ہے وہ ان دو لفظوں میں کیوں ہوا ﴿سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ﴾ ؟ علم کے لحاظ سے ((سبحان اللہ) اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم دکھاتے ہو "سر اور جہر")۔

بِذَاتِهِ عرش پر مستوی ہے سبحانہ وتعالیٰ، اللہ تعالیٰ کی الوہیت، اللہ تعالیٰ کا علم، اللہ تعالیٰ کا جو احاطہ ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد جو ہے وہ ہر جگہ پر ہے، آسمانوں میں بھی ہے زمین میں بھی ہے تو اس اعتبار سے جو ہے یہ معنی غلط ہے "کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے آسمان مین ہے اور زمین میں ہے"۔

اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے، اللہ تعالیٰ کا علم اور اللہ تعالیٰ کا احاطہ جو ہے وہ ہر جگہ موجود ہے۔ اس لمبی بحث کو دوسرا درس ہے ہمارا فائدہ کیا ہے ؟ مسلکی فائدہ کیا ملے گا ہمیں اگر یہ مان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علو پر ہے بلندیوں پر ہے ؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں: جب انسان یہ خوب جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں سے اوپر ہے تو وہ اچھی طرح جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو طاقت ہے قدرت ہے سلطان ہے اور سیطرت جو ہے اپنے بندوں پر اپنی مخلوق پر بہت ہی عظیم ہے تو اس اعتبار سے اُس سے وہ ڈرتا ہے اُس کی تعظیم بھی کرتا ہے، اور انسان جب اپنے ربّ سے ڈر جاتا ہے اُس کی تعظیم کا حق بھی ادا کر لیتا ہے یعنی تو پھر وہ تقویٰ کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور جو واجب اُس پر ہے اسے بجالاتا ہے اور جو محرمات ہیں اُن سب کو چھوڑ دیتا ہے۔

اصل بات ہے: یعنی ایک متقی و پرہیز گار مسلمان بننے کے لیے تمہارے لیے یہ کافی ہے اگر یہ مان لیتے ہو تم، اُس کا حق ادا کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ پر مستوی ہے (سبحانہ وتعالیٰ) جس کی یہ عظمت ہے تمام مخلوقات کا خالق ہے اور مالک ہے، تدبیر کرنے والا ہے، اور تمام مخلوقات اُس کی تسبیح کرتی ہیں اُس کی عبادت کرتی ہیں پاکیزگی بیان کرتی ہیں، اور وہ خود عرش پر

مستوی ہے سبحانہ وتعالیٰ، اور عرش سب سے بڑی مخلوق ہے جس نے پوری مخلوقات کو احاطے میں لیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اُس سے بھی اوپر ہے، اور وہ ہمارے قریب بھی ہے وہ خوب جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم دکھاتے بھی ہیں، وہ خوب جانتا ہے ہر چیز سے واقف ہے، وہ ہمارے دل کے وسوسے سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ خوب جانتا ہے ہماری آنکھوں کی خیانت کیا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ ہم دل میں کیا سوچتے ہیں کیا کہتے ہیں، اور وہ خود عرش پر مستوی ہے سبحانہ وتعالیٰ اس کے باوجود بھی اپنی مخلوق کے ساتھ ہے اُن پر رحم بھی کرتا ہے اُن پر کرم بھی کرتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ کس کو کس چیز کی ضرورت ہے۔

یعنی چیونٹی جو ہے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ بھی علم ہے کہ اس کو ضرورت کس چیز کی ہے، اُس کی ضرورت کہاں پر ہو گی اور کیسے مہیا کرنی ہے۔

ایک چیونٹی کو دیکھیں، لاکھوں کروڑوں چیونٹیوں کو دیکھ لیں کون رزق دیتا ہے انہیں؟ اچھا سمندر کو دیکھ لیں مچھلیوں کو دیکھ لیں آپ اتنی بڑی مخلوقات ہیں بھوکی نہیں مرتیں! وہ تمام مخلوقات کا رازق ہے، یعنی عرش پر ہوتے ہوئے بھی پوری کائنات کی تدبیر کرنا کتنی بڑی عظمت ہے اُس عظمت کے سامنے جب اس بندے کا سر جھک جاتا ہے تو پھر تقویٰ کے راستے کے علاوہ کوئی راستہ باقی نہیں بچتا، اصل پیغام یہ ہے۔

((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لا إِلهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (53.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔

mp3 Audio